

میرے قابل احترام اساتذہ کرام

(۳)

شیخ المنطق والفلسفہ حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی نور اللہ مرقدہ

از: مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

جَبَلُ الْعِلْمِ (علم کا پہاڑ) کی تعبیر اگر کسی عالم کے لئے موزوں اور مناسب ہو سکتی ہے تو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ عالم اسلام کے علمی حلقوں میں ایک ہی نام ہو سکتا ہے اور وہ تھے حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم بلیاوی نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مرحوم کا خاص میدان جس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے منطق اور فلسفہ تھا۔ بلاشبہ حضرت علامہ فن منطق اور فلسفہ پر حاوی تھے، فلسفے کے مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مسئلے کو اس خود اعتمادی کے ساتھ چند جملوں میں حل کر دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔

یہ تو ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے حضرت علامہ سے منطق و فلسفے کی بڑی بڑی کتابیں حمد اللہ صدرہ، شمس بازغہ، میرزا ہد، مملّ جلال اور قاضی کا درس لیا ہے۔

اس ناچیز کو دورہ حدیث کے سال ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں حدیث کی کتاب ترمذی شریف حضرت علامہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ خلاف معمول اُس سال حضرت نے بغیر کسی ناغے کے نہایت پابندی کے ساتھ پورے سال سبق پڑھایا اور وقت پر کتاب مکمل کی... سالانہ امتحان کا پرچہ آیا تو سارے سوالات کتاب کے آخری حصے سے تھے، مجھے یاد ہے کہ چند طلباء کے علاوہ اکثر طلباء کا غد قلم لیے بیٹھے سوچ رہے تھے۔

میں سمجھتا تھا کہ حضرت علامہ کی شہرت منطق و فلسفہ میں زیادہ ہے شاید حدیث میں وہ مقام نہ ہو، لیکن جب سبق میں شرکت ہوئی اور حضرت کی تقریریں سنیں تو اندازہ ہوا کہ آپ کو حدیث کے پڑھانے پر بھی منطق و فلسفہ سے کم قدرت نہیں ہے بلکہ ان فنون کی چاشنی سے حدیث کا رنگ کچھ اور نکھر آتا تھا۔

حضرت علامہ لمبی تقریر کرنے کے عادی نہ تھے، بات جامع اور مختصر ہوتی تھی، آپ کے درس کا صحیح لطف وہی اٹھا سکتا تھا جو اچھی طرح مطالعہ کر کے آپ کے سبق میں شریک ہو۔ حضرت علامہ کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ طالب علم کو فن سے مناسبت پیدا کر دیتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی علمی تحقیقات اور مسلک دیوبند پر بڑی گہری نظر تھی۔ ایک مرتبہ مولانا معراج الحق صاحب تشریف فرما تھے، بات مسلک کی چل رہی تھی، مولانا معراج الحق صاحب نے سوال کیا حضرت سے کہ کیا لغت میں بھی ہمارا مسلک ہے...؟ فرمایا!.... ہے۔

حضرت کے درس حدیث میں شرکت کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عمر کے اس حصے میں حضرت علامہ کی دلچسپی علوم عقلیہ کے بجائے علوم دینیہ سے زیادہ ہو گئی ہے، اس لئے جس لگن کے ساتھ وہ حدیث کا درس دیتے تھے وہ ان کی خاص توجہ کو ظاہر کرتا تھا۔

فقہ کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے کو حضرت علامہ کسی طرح چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے، اس کی ایک مثال مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے تحریر فرمائی ہے:

مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا، شوریٰ کے اکثر ممبران حضرت علامہ کے شاگرد تھے، جو نہایت احترام کے ساتھ ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تھے اور ملاقات سے فائدہ اٹھا کر اپنے مسائل بھی حل کر لیتے تھے۔ چند ممبران شوریٰ جن میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی بھی شامل تھے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے... مولانا اکبر آبادی نے سوال کیا کہ جن مقامات پر سورج کئی کئی مہینے کے بعد طلوع ہوتا ہے وہاں پانچ وقت کی نماز کیسے ادا کی جائے گی، کیوں کہ نماز کی ادائیگی کے لئے سبب وجوب وقت ہے اور وہاں وقت ہی نہیں ہے...؟۔

حضرت علامہ نے جواب دیا کہ: ”وقت سبب وجوب کہاں ہے، وقت تو صرف علامت ہے... یہ تھا حضرت علامہ کا انداز کہ چٹکی بجاتے ایک جملے میں سارا مسئلہ حل فرما دیا۔

✽ حضرت علامہ کے وقار اور رُعب کی وجہ سے طالب علمی کے زمانے میں بہت زیادہ قریب آنے کا موقع نہیں مل سکا، مگر دارالعلوم سے فارغ ہونے کے تقریباً دو سال کے بعد ۱۹۵۸ء میں جب میں درجہ فارسی میں مدرس ہوا تو اس وقت حضرت علامہ ناظم تعلیمات ہو چکے تھے۔ پہلے تو مجھے یہی گھبراہٹ تھی کہ ان کی نظامت میں کیسے کام کروں گا، مگر دھیرے دھیرے قربت ہوتی گئی حضرت کی شفقتیں بڑھتی گئیں اور ان کے جوہر کچھ اور کھلتے گئے۔

اسی زمانے میں میں نے مسلم شریف پر کچھ کام کرنا شروع کیا اور مصطفیٰ اور مسویٰ پر بھی کچھ

کام کا آغاز کیا تو اکثر حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنی علمی مشکل ان سے حل کر لیتا۔ جب انھوں نے میری علمی دلچسپی دیکھی تو پہلے تو ذرا امتحان لیا اور جب میں ڈٹار ہا تو محسوس ہوا کہ کافی خوش ہیں اور متوجہ ہیں۔ اُن کے زمانے میں میاں اختر حسین صاحب نائب ناظم تھے، انھوں نے مجھے بتایا کہ حضرت علامہ تم سے بہت خوش معلوم ہوتے ہیں، فرما رہے تھے کہ اس کو آگے بڑھانا چاہئے۔

مجھے پڑھانے کے زمانے میں یہ شوق رہتا تھا کہ ابتدائی کتابوں کے ساتھ ایک آدھ کوئی بڑی کتاب بھی میرے پاس رہے۔ اُدھر شعبۂ فارسی کے صدر مدرس صاحب اس میں رکاوٹ ڈالتے تھے، حضرت علامہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے صدر مدرس صاحب کو بلا کر کہا کہ اگر وہ پڑھانا چاہتا ہے تو پڑھانے دو، نہ پڑھا سکا تو خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔ اس طرح وہ حکمت اور تدبیر سے کام لیتے تھے۔ مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا تھا اور وہ برابر میرے حالات سے باخبر رہتے تھے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ایک اعلیٰ درجے کے مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی امور پر بھی ان کی پوری نظر رہتی ہے... علامہ نازک مزاج تھے، ایک مرتبہ طبیعت ناساز تھی... مزاج پرسی کے لئے گیا، طبیعت پوچھی تو خاموش رہے، میں نے سمجھا شاید سنا نہیں ہے، دوبارہ مزاج پوچھا، فرمایا مولوی صاحب بار بار نہیں پوچھتے مرض یاد آ جاتا ہے۔

اصل میں حضرت علامہ بلا کے ذہین انسان تھے، جہاں ان میں اعلیٰ درجے کی علمی لیاقت تھی اور وہ واقعی علامہ کہلانے کے صحیح حق دار تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ روشن دل بھی تھے، اگرچہ ان کی شہرت علم کے میدان میں ہی زیادہ ہوئی، لیکن زہد و تقویٰ میں بھی ان کا مقام کچھ کم نہ تھا۔

✽ مشرقی یوپی کے شہر بلیا میں ۱۳۰۴ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ان کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا اور پھر کچھ عرصے کے بعد بلیا میں آباد ہو گیا۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم جون پور میں مشہور طبیب مولانا حکیم جمیل الدین گینوی سے حاصل کی۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کے خاص شاگرد مولانا ہدایت اللہ خاں اور مولانا فاروق احمد صاحب سے معقولات کی کتابیں پڑھیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے خاص شاگرد مولانا عبدالغفار صاحب سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، پہلے ہدایہ، جلالین وغیرہ پڑھنے کے بعد

۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔

۱۳۲۷ھ سے لے کر ۱۳۸۷ھ تک تقریباً ساٹھ سال آپ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال میں مدرسہ عالیہ فتح پوری کے مدرس دوم بنائے گئے، پھر عمری ضلع مرآباد کے مدرسہ میں کچھ عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۳۱ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا۔ ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک مدرسہ دارالعلوم منوٰلضلع اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ درجہنگہ (بہار) میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا، ۱۳۴۳ھ کی روداد میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”مولوی ابراہیم صاحب تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں، معقول و فلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں، فلسفہ و منطق اور کلام کے انتہائی اسباق صدر، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، امور عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے ہیں، طلباء کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے، نہایت خوش تقریر ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں۔“

۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی، اولاً جامعۃ الاسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی، وہاں کے بعد کچھ عرصے تک مدرسہ عالیہ فتح پوری میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں بنگال میں ہاٹ چائنگام کے مدرسہ میں صدر المدرسین رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند آ گئے۔

۱۳۷۷ھ میں آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بعد دارالعلوم کی مسند صدارت پر فائز ہوئے اور ناظم تعلیمات بھی مقرر ہوئے اور تا وفات آپ اسی منصب پر رہے۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے اوپر ہے جو ہندوپاک، بنگلہ دیش، ایشیا اور افریقہ میں اپنے استاذ کا فیضان پھیلا رہے ہیں۔

✽ حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے بیعت بھی کی تھی اور آپ کے خاص شاگرد بھی تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف پوری جیسے معتبر عالم جو کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خاص

شاگردوں میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مولانا بلیاوی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے۔ اپنی حیات طیبہ کا بہت حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس و تعلیم میں ہی صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی۔ ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول و منقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور ہندوپاک کے تقریباً تمام علماء کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے سلف کی یادگار تھے۔“

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مجلہ ”برہان“ کے اداریہ میں رقم طراز ہیں:

”ادھر عرصہ دراز سے حدیث و تفسیر کے ساتھ اشتغال زیادہ ہو گیا تھا، انہیں کا درس دیتے تھے اور انہیں کا مطالعہ کرتے تھے۔ انابت الی اللہ اور روحانی کمالات و مزایا کی طرف بھی توجہ زیادہ ہو گئی تھی۔“

آخر میں لکھتے ہیں:

”عمر اگرچہ نوے کے لپیٹے میں تھی لیکن قوی اب بھی اچھے تھے۔ درس بھی دیتے تھے اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے انتظامی امور بھی سرانجام دیتے تھے۔ شوریٰ کے جلسوں میں گھنٹوں بیٹھے رہتے اور اس کی کارروائی میں شروع سے آخر تک پوری حاضر حواسی کے ساتھ شریک رہتے اور دوسرے معمولات بھی جاری تھے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۶۷ء سے شوریٰ کا جلسہ شروع ہو رہا تھا اس میں شرکت کی غرض سے ہم ۲۵ کو ہی دیوبند پہنچ گئے تھے اور وہاں ظہر کی نماز کے بعد ایک کمیٹی کی میٹنگ میں بیٹھے تھے کہ اچانک حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی وفات کا ٹیلی گرام بمبئی سے موصول ہوا۔ حضرت الاستاذ کو مکان پر جب یہ اطلاع پہنچی تو حضرت شاہ صاحب کے ساتھ غایت درجہ کے روحانی اور باطنی تعلق کے باعث آپ پر اس کا بہت غیر معمولی اثر ہوا اور صاحب فراش ہو گئے۔“

چنانچہ شوریٰ کا جلسہ تین دن تک رہا مگر آپ کسی ایک نشست میں بھی شریک نہ

ہو سکے۔ بہ ظاہر اسباب شاہ صاحب کا حادثہ وفات ہی حضرت الاستاذ کی صحت کے اچانک سقوط، حملہ فالج اور پھر موت کا سبب ہوا۔“

✽ ان کی چند تصانیف میں سے ایک رسالہ ”مصابیح“ اور رسالہ ”تراویح“ اردو میں ہے۔ فارسی میں ”انوار الحکمۃ“ جو منطق و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ سلم العلوم پر عربی حاشیہ ”ضیاء النجوم“ ہے۔ اور میڈی خیالی پر آپ کے لکھے ہوئے حواشی ضائع ہو گئے۔

آخر عمر میں جامع ترمذی پر حاشیہ لکھ رہے تھے جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی اور صحت خراب ہوتی چلی گئی۔ آخر کار ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء بروز چہار شنبہ، دوپہر کے وقت عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔

اور علم کا یہ خزانہ قبرستان قاسمی دیوبند میں دفن کر دیا گیا۔

فرصت ملے تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

حضرت علامہ کا سراپا بڑا باوقار تھا، لمبا قد، بھرا ہوا موزوں جسم، چہرے پر خوبصورت داڑھی،

آواز بھاری پر جلال، ہر لفظ نیا تلا، لہجہ دھیمہ مگر دل کو چھو لینے والا۔

